R.No. 2106/57 | Regd. No. 6922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۳ - شمارہ ۴۲ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ نومبر ۱۹۶۴ء

ادارتیہ

جے پور کانفرنس کی قراردادیں

جے پور کی کانفرنس میں دس اہم قراردادیں منظور ہوئیں۔ آج کی اشاعت میں ہم دو کے متعلق خاص طور سے کچھ لکھنا چاہتے ہیں دوسری قراردادوں کے متعلق آئندہ وضاحت ہوگی۔

پہلی قرارداد میں ہم نے صدر جمہوریہ کو پھر توجہ دلائی ہے کہ ہمارا پرانا مطالبہ اب منظور ہو ہی جانا چاہیے۔ جتنا وقت گزرتا جاتا ہے اس مطالبے کی صداقت واضح ہوتی جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرکزی حکومت سے اس سلسلے میں جو اعلانات ہوتے ہیں ان پر ریاستی حکومتیں عمل نہیں کرتیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تعلیم کے معاملے میں ریاستی حکومتیں بڑی حد تک آزاد ہیں۔ صرف ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں دستور کی دفعہ ۳۵۰ الف میں ان کو کوشش کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جب یہ مسئلہ پارلیمنٹ کے سامنے آیا تھا تو انجمن کے ایک وفد نے اس سلسلے میں مطالبہ کیا تھا کہ ریاستی حکومتوں کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ لسانی اقلیتوں کے لیے ان کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم کا انتظام کریں۔ مگر بات کوشش تک ہی رہ گئی۔ ثانوی تعلیم کے سلسلے میں تو ریاستیں مکمل آزادی رکھتی ہیں۔ مرکز کی ہدایات پر وہ عمل نہ کریں تو مرکز انھیں مجبور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ان کے اپنے سرکاری زبان کے قوانین ہیں جن کی پابندی ان پر لازمی ہے۔ اس لیے وہ اس کا بہانہ کر کے لسانی اقلیتوں کے معاملات میں ٹال مٹول سے کام لیتی ہیں۔ ہمارے دستور سازوں کے ذہن میں یہ خطرہ تھا اور اسی لیے دفعہ ۳۴۷ میں صدر کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اگر مطمئن ہوں تو کسی بھی زبان کو خاص اغراض کے لیے سرکاری زبان کا درجہ دے سکتے ہیں۔ اتنے عرصے کے تجربے نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ صدر جب تک اپنے اس اختیار کا استعمال نہیں کریں گے حالات کی اصلاح نہیں ہوگی۔ ریاستی حکومتیں جب خود اپنی موجودہ پالیسی پر عمل نہیں کرتیں تو وہ اپنے سرکاری زبان کے قانون میں تبدیلی کیوں کرنے لگیں۔ اس لیے صدر کے حضور میں ہمارا یہ مطالبہ ہر طرح مناسب ہے۔ انجمن کی مجلس عاملہ جلد ہی اس سلسلے میں مناسب قدم اٹھائے گی۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صدر ہماری آواز پر کان نہیں دھریں گے وہ غلطی پر ہیں۔ دستور نے یہ اختیار صدر کو دیا ہے۔ انھیں اپنی حکومت سے اس سلسلے میں مشورے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر سارے معاملات پر انھوں نے غور کیا تو ہمیں یقین ہے کہ وہ ضرور ہمارا مطالبہ مان لیں گے۔ دراصل اس سلسلے میں خود ان کے مقرر کردہ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹوں میں ہی کافی مواد موجود ہے۔ ہمارا کام تو صرف یہ واضح کرنا ہے کہ دستور کی اس دفعہ کے مطابق صدر کا اپنے اختیارات سے کام لینا ضروری ہو گیا ہے اور اس کے لیے ہمارے پاس شہادتوں کا ایک دفتر موجود ہے۔

دوسری قرارداد سہ لسانی فارمولے کے متعلق ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس میں جو طریقہ کار تجویز کیا گیا ہے وہ اس فارمولے کی اسپرٹ کو زیادہ پورا کرتا ہے۔ اب تو موجودہ وزیر تعلیم نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اس فارمولے کی اسپرٹ پر عمل نہیں ہوا۔ ہمارا

اس شمارے میں

کہنا یہ ہے کہ اگر تیسری زبان کے طور پر بھی مادری زبان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکتا تو پھر اس تعلیم اور اس فارمولے کی لسانی اقلیتوں کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ چناں چہ ہم نے مادری زبان کی تعلیم کو ہر حال میں ضروری قرار دیا ہے۔ دوسرے ہم نے یہ کہا ہے کہ اس فارمولے میں ہر ہندوستانی زبان کی نہیں بلکہ کسی جدید ہندوستانی زبان کی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے۔ اگر اتر پردیش میں طلبا کے لیے سنسکرت کا انتظام ہوتا ہے اور وہ نہ اپنی مادری زبان مثلاً اردو پڑھ سکتے ہیں اور نہ کوئی جدید ہندوستانی زبان مثلاً تامل یا تلیگو، تو یہ لسانی اقلیتوں کے ساتھ ظلم ہی نہیں قومی یکجہتی کے تصور کے ساتھ بھی زیادتی ہے۔ ہاں اگر بعض ریاستوں میں لسانی اقلیتوں کو چار زبانیں بھی پڑھنی پڑیں تو انھیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے بشرطیکہ ان کی مادری زبان کی تعلیم کا انتظام ضرور ہو۔

سیکی بین

یار لوگ کافی ہاؤس کے شیدائیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے مگر اب کے دلی کے کچھ من چلوں کی بدولت کافی کے پیالے سے جو طوفان اٹھا اس نے سارے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہوا یہ کہ دوسرے دکان داروں اور تاجروں کی دیکھا دیکھی کافی ہاؤس والوں نے بھی ایک کافی کے پیالے کی قیمت پینتیس پیسے سے بڑھا کر پچاس پیسے کر دی۔ آپ تو جانتے ہیں کافی ہاؤس کے رسیا اخبار نویس، دانشور، فن کار ہوتے ہیں۔ انھوں نے کافی ہاؤس کا بائیکاٹ کیا اور باہر فرش پر ایک شامیانہ لگا کر اپنا اسٹال کھول دیا۔ ساتھ ہی ساتھ گرانی کے خلاف ایک مہم چلائی جس کے ساتھ بہت سے لوگوں کو ہمدردی ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کافی ہاؤس والوں کا نشہ ہرن ہو گیا اور انھوں نے پچھلی شرح پھر نافذ کر دی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ گرانی کے خلاف تحریک زور پکڑ چکی تھی۔ حلوائیوں، دودھ والوں، سبزی فروشوں اور عوام کی تکلیف سے نفع کمانے والوں کے خلاف اچھا خاصا مورچہ قائم ہو گیا۔ اب تک لوگ کان دبا کر دکان دار یا تاجر جو دام مانگتا تھا دے دیتے تھے۔ اب انھوں نے دکانوں کا بائیکاٹ شروع کر دیا ہے اور محلے محلے اپنی ٹولی بنالی ہے جو کم قیمت پر ضرورت کی چیزیں بیچتی ہے۔

یادش بخیر ایک زمانے میں لکھنؤ کا کافی ہاؤس بڑی کشش رکھتا تھا۔ ادھر شام ہوئی اور یونی ورسٹی کے کچھ استاد، ہندی اور اردو کے شاعر اور ادیب، رنگ منچ کے کچھ فن کار، کچھ چوٹی کے اخبار نویس اور کچھ شہر کے نیتا جمع ہو گئے۔ کسی میز پر سیاست کی گفتگو ہو رہی ہے، کہیں ہندی کی چندی نکالی جا رہی ہے، کہیں جوش کی شاعری میں خطابت پر تبصرہ ہو رہا ہے، کہیں جگوتی چرن ورما اپنی تازہ نظم سنا رہے ہیں، ایک طرف لوہیا اپنے مخصوص انداز میں کانگریس اور پنڈت نہرو پر فقرے کس رہے ہیں، دوسری طرف ڈی۔ پی۔ مکرجی موسیقی اور آرٹ پر اپنی گل افشانی گفتار دکھا رہے ہیں۔ پیچھے دروازہ کھلا اور آچاریہ نریندر دیو داخل ہوئے، تھوڑی دیر بیٹھے اور چل دیے۔ راقم الحروف نے پوچھا آچاریہ جی ایسی بھی کیا جلدی۔ تو فرمانے لگے کہ بھائی باہر گاڑی میں گپتا جی بیٹھے ہوئے ہیں۔ یونی ورسٹی کی ایگزیکیٹو کونسل کی میٹنگ تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ چلیے کافی ہاؤس ہوتے چلیں، انھوں نے جواب دیا کہ آپ ہو آیے میں بیٹھا رہوں گا۔ میں کافی ہاؤس نہیں جاتا۔ سنا ہے وہاں شراب پی جاتی ہے۔ اس پر سب نے قہقہہ لگایا جس میں سب سے بلند قہقہہ خود آچاریہ جی کا تھا۔

اسی کافی ہاؤس میں ایک شام کو مجاز کچھ بجھے ہوئے سے بیٹھے تھے۔ راقم الحروف نے کافی کا آرڈر دیا۔ مجاز کو بھی دعوت دی فرمانے لگے حضرت صاحب کافی مجھے "سوٹ" نہیں کرتی۔ کچھ لوگ یہاں بلاناغہ آتے تھے، اگر کسی دن نہیں آتے تھے تو لوگ ان کے گھر خیریت دریافت کرنے پہنچتے تھے کہ آج کیا غیر معمولی بات ہو گئی۔ پھر یہاں کے بھی آداب تھے۔ مثلاً شام کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھنا عین وضعداری تھا۔ یہ نہیں کہ جمے ہوئے ہیں۔ دن میں حاضری چھٹی کے دن ہوتی تھی۔ جب کوئی بزرگ ہوتا تو میز کے سب ساتھیوں کا بل ادا کرتا۔ اٹھنے کے بعد کتابوں کی دکان کا ایک چکر ضروری تھا۔ کوئی نئی کتاب مل گئی تو لے آئے۔ ورنہ پرانی کتابوں کو ہی الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ لکھنؤ کی تہذیبی زندگی میں کافی ہاؤس کو بڑی اہمیت حاصل تھی گپتا جی کے اقتدار پر پہلی ضرب لگانے والے یہی کافی ہاؤس کے تنداں پارسا تھے۔

اسٹوڈینٹس اردو لائبریری لکھنیا کی سالگرہ

یہ لائبریری بیس سال سے قائم ہے۔ امسال اس کی بیسویں سالگرہ کے موقع پر حسب ذیل سہ روزہ پروگرام پیش کیا گیا۔

۱۔ ۱۳ر اکتوبر کو چھ بجے شام جناب غلام سرور ایڈیٹر سنگم نے اپنی افتتاحیہ تقریر میں اردو، اتحاد باہمی اور تعلیمی و ادبی اداروں کی غرض و غایت کے سلسلے میں تقریر کی۔ بعد میں سکریٹری نے سالانہ رپورٹ سنائی۔

۲۔ ۱۴ر اکتوبر کو ساڑھے چھ بجے شام سے تقریروں اور نظم نگاری کے مقابلے ہوئے۔ بعد میں تقسیم انعامات کے بعد طرحی مشاعرہ ہوا۔

رئیس مینائی بنگلوری

حضرت شاد عارفی کے خطوط

فضا کوثری کے نام

شاد عارفی اردو کے ایک منفرد اور اپنے طرز کے ایک انوکھے غزل گو شاعر اور بھارت کی قدیم تہذیبی اور تمدنی قدروں کے دلدادہ تھے اور ہماری نئی جمہوریت حب الوطنی اور آزادی کے نشہ سے سرشار تھے وہ بڑے غیور، خوددار شاعر تھے زندگی کے تلخ و سنگین حقائق سے ہمیشہ برسرپیکار رہے لیکن پاس خودداری نے تادم مرگ ان کو زندگی سے مفاہمت اور سمجھوتہ نہ کرنے دیا ان کے کلام میں طنز تلخی اور تلوار کی سی کاٹ تھی زبان کا رکھ رکھاؤ اور انداز و اسلوب اور فکر و نظر کی گہرائی و گیرائی شاد عارفی کا طرۂ امتیاز تھا وہ سماج کی دکھتی رگ اس کے فاسد مادے اور تلخ حقیقت سماج تیر پر بڑی چابکدستی سے نشتر زنی کرتے تھے یہ نامی گرامی شاعر ہمیشہ اپنے اہل وطن کی بے اعتنائی اور سرد مہری کا شکار رہا بالآخر اس کو مجبوراً کہنا پڑا۔

جہاں میں رہ رہا ہوں نام اس کا رامپور ہے
جبھی تو قدردانی ادب سے دور دور ہے

شاد عارفی نے جو قیمتی آثار غزلوں نظموں اور قطعات کے روپ میں چھوڑا ہے وہ ایسے نقوش کی حیثیت رکھتا ہے جس کے سامنے سیکڑوں رعنائیاں رنگینیاں اور سحر کاریاں پھیکی پڑ جاتی ہیں۔

کہ جنیں دیوانہ ہشیار پیدا می شود

اب میں جناب فضا کوثری کے نام حضرت شاد عارفی کے خطوط پیش کرتا ہوں جو غیر مطبوعہ ہیں فضا کوثری ریاست میسور کے ایک خوش فکر ادیب اور خوش گو شاعر ہیں اور شاد عارفی کے عزیز ترین شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شاد عارفی سے ان کے مراسم بڑے گہرے تھے یہ خطوط شاد صاحب کی زندگی کے ان حالات کی عکاسی کرتے ہیں جب وہ انتہائی عسرت اور خانگی پریشانیوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے نجی زندگی کے یہ واقعات انھوں نے فضا صاحب کو بے کم و کاست اور پوری صداقت کے ساتھ لکھ دیے تھے یہ خطوط اس نیت سے پیش کیے جا رہے ہیں کہ کہیں تو ہو سکے کہ ہمارے مشاہیر ادب کیسی کیسی ذہنی کوفتوں میں سے گزرا کرتے تھے اور اہل علم کی ناقدری کا عالم کیا ہوتا تھا ان خطوط کے مطالعے کے بعد لنکن سیپئر کا یہ قول یاد آتا ہے کہ خطوط کو اہم بنانے میں لکھنے والے کے خلوص براہ راست اظہار مطلب اور صداقت واقعہ کو بڑا دخل ہوتا ہے بہر حال یہ خطوط اس وجہ سے بھی اہم ہیں کہ ان میں شاد عارفی کے ادبی مشاغل اور نجی کیفیات کا پرتو جن سے کئی اہم باتیں قاری کے علم میں آتی ہیں اور دیگر خطوط

میں بعض ادبی معاملات کی طرف اشارہ ہے۔

اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود بربست و چشم ما کشاد

(۱)

۱۰ راگست ۱۹۶۱ء

عزیزم فضا! دعائیں

کل لفافہ ڈال چکا ہوں مل گیا ہوگا، آج تمہارے دوسرے خط کا جواب دے رہا ہوں شدید زکام کی حالت میں ہوں فضا بالفتح خلائے بسیط کے معنی میں، درست ہے اور بالکسر اپنے دوسرے معنی میں درست ہے۔ اس لیے فضا بالکسر بھی غلط نہیں مگر اس کے معنے خلائے بسیط نہیں رہیں گے۔ برق کے ساتھ مصرع کی ابتدا "بسی" یائے معروف سے ہونی چاہیے۔ جو غالباً میں بتانا بھول گیا تھا اب "بسے" کی جگہ "بسی" "بنالو" وہ برق" سے مراد "وہ محبوب" اس کا "جمال مع جلال" ہے۔ اور ۔۔۔ تو ٹھیک ہیں ۔۔ دونوں غلط گو ہیں ان کے انداز کلام سے بچو

دعاگو (شاد عارفی)

(۲)

۲۲ راگست ۱۹۶۱ء

عزیزم فضا! دعائیں

کل تمہارے خط کا جواب مع اصلاحی قطعے روانہ کر چکا ہوں، اب اس کارڈ کا جواب یہ ہے انجمن اتحاد و ترقی میں (و) عطف کا مطلب ہر اور ترقی جو ہر قسم کی ہو سکتی ہے اس لیے یہ صحیح ہے۔ اور "ترقی اتحاد" کا مطلب صرف اتحاد کی ترقی کی انجمن جس کا مقصد صرف ایک ہوگا۔ اور اتحاد و ترقی دونوں ہیں کیونکہ "واو عطف" اس طرف اشارہ کرتا ہے نام اپنی جگہ صحیح ہے

دعاگو (شاد عارفی)

(۳)

۱۰ ستمبر ۱۹۶۱ء

عزیزم فضا! دعائیں

میری طبیعت بہت خراب چل رہی ہے گزشتہ سینیچر کو کوثری کالج کے لڑکے مشاعرے میں خوشامد کرکے طرح طرح کے زور ڈال کر لے گئے تھے۔ وہاں ٹھنڈ لگی دوسرے دن ایک ادبی انجمن کے افتتاح کے سلسلے میں صدارت اور تقسیم انعامات کے تحت لے گئے وہاں فسانے وغیرہ پڑھے جانے کے بعد مشاعرہ ہوا پھر تقسیم انعامات صبح کے ۴ بجے چھٹکارا ہوا سردی اور سینے کے زکام نے مزید تکلیف پہنچا دی بڑا کوٹ یا کمبل

ے شاد عارفی مرحوم نے دو معاصر کے دو معروف غزل گو شاعروں کے نام لکھے تھے میں نے مصلحتاً ان دونوں شاعروں کے نام حذف کر دیے اس "خیانت" کے لیے میں شاد صاحب کی روح سے معذرت خواہ ہوں ۱۲ (ر۔م)

ے بنگلہ راپیٹ جیسی "سنگلاخ" زمین میں فضا کوثری نے ایک ادبی بزم کی داغ بیل ڈالی تھی۔

نہ ہونے کے عذر پر مانگے کا کوٹ لا دیا اور کمبل بھی پیش کیا جسے میری غیرت نے قبول نہیں کیا صرف جواہر کٹ اور گاندھی کوٹ میں رات بسر کی سوئٹر اتنا پھٹی ہو چکا ہے یعنی کیڑے نے اتنا چاٹ لیا ہے کہ وہ جالیدار بنیان بن گیا ہے بہر حال ...... بر سر اولاد آدم ہر چہ بگذرد تم سو تفنہ نکال کر نظر ثانی کر کے بات ذرا کھل کر ہو سکتے ہیں اور بزم کے صدر صابر عارفی خاص طور سے منتظر ہیں دعا گو (شاد عارفی)

(۴)

۹ اکتوبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفقا! دعائیں

میں بچ تو گیا ہوں مگر کمزور بہت ہوں انجکشن جاری ہیں، اور دوا بھی چل رہی ہے لکھنے پڑھنے کی ممانعت ہے مگر مجبور آ یہ سلسلہ بھی جاری ہے میں نے قطعے بھی بھیج دئے تھے یہاں تلاش کرنے پر نہیں ملے دوبارہ بھیج دو تاکہ انھیں درست کر دوں خطوں کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے جن اندھوں کو سوجھتا نہیں انھیں چراغ دکھانے سے کیا حاصل ادھر یہ کہ آخری وقت میں خود شادی زندگی گزارنی اپنے پچھلے کردار پر کیچڑ ڈالنا ہے تم بھی خاموش رہو۔ یہ زندگی بہر حال گزر ہی جائے گی مگر بات رہ جائے گی بھیک کے ٹکڑے اگر مقدر ہیں ... تو پھر۔ اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو۔ فقط

(احمد علی شاد عارفی)

(۵)

۱۷ اکتوبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفقا! دعائیں

غزل دیکھ کر بھیج رہا ہوں بھئی عمر کا صحیح تو نہیں معلوم لیکن میری والدہ بتایا کرتی تھیں کہ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۳ء کے کسی درمیانی سال میں میری پیدائش ہوئی تھی زیادہ بوڑھا ہونا کوئی بھی نہیں پسند کرتا اس لیے میں بھی ۱۹۰۳ء کی موافقت میں ہوں۔ تم میری عمر کا اندازہ کرنا چاہتے ہو اس لیے تم بھی ۱۹۰۲ء میرا سن پیدائش مان لو یہ ٹھیک ہے کہ میں سرمایہ پرستی کے خلاف ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں سرمایہ داروں کے منہ پر تھوکوں میں ایسی غیر اخلاقی اور غیر ادبی حرکت کو کبھی جائز نہیں سمجھتا میں سرمایہ کی تقسیم جائز اور مناسب اخلاقی طریقہ پر چاہتا ہوں۔ میں تشدد کا قطعاً حامی نہیں اس مقطع سے مزید روشنی مل سکتی ہے۔

شاد حاصل ہو جسے غم سے فراغ کامل
کیوں یہ چاہوں کہ خدا اس کو پریشاں کر دے

دعا گو (شاد عارفی)

(۶)

یکم نومبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفقا! دعائیں

تمہارے ترانے[1] ... سو شمارہ جلد ہی دیکھ کر بھیج دوں گا میں بھی انسان ہوں کوئی مشین تو نہیں ہوں جو ہر وقت کام کرتا رہوں مجھ مشین کو تو کبھی کبھار تیل مل جاتا ہے لیکن یہاں تو وہ بھی نہیں۔ اپنے مطلب کی ہر کوئی کہتا ہے لیکن میری کوئی بھی نہیں سنتا۔ کوئی کہتا ہے شاد صاحب میرے رسالے کے لیے تازہ غزل بھیج دیجیے کسی کو بادہ نظر کی ضرورت ہے کوئی سوانح عمری مانگتا ہے کسی کو اپنے مالنامے کے لیے فوٹو کی ضرورت ہوتی ہے کوئی اپنے پیر و مرشد کے انتقال کے بعد قطعہ تاریخ کہلوانا چاہتا ہے کسی کے بھائی کی شادی شادی والی کے سہرے کی وجہ سے رکی ہوئی ہے کوئی کتاب پر رائے مانگتا ہے۔ غرضیکہ میری جان مصیبت میں ہے لوگ سمجھتے ہیں میں مغرور ہو گیا ہوں، بد دماغ ہوں بعض مجھے مجنوں و فرہاد سے الگ۔ ایک اور خطاب بھی دے چکے ہیں "مت کنا" جی ہاں شاد عارفی "مت کنا" یہی تو ہے اس نے اپنی ضرورتوں کا کیوں اظہار کر دیا ہوتا لکھتا اور جیتا کسی بھی ظلم اور ستم پر اف یا آہ نہ کرتا تب شاد عارفی عقلمند ہوتا غریبی کو تھری ہے بعض وقت ان باتوں کو سن کر یہ سوچنے لگتا ہوں اس شاعری وادری کو چھوڑ بھی دوں آخر کیا فائدہ اس شاعری سے جس کا حاصل صفر ہو۔ کیا فائدہ اس فن کی خدمت کرنے سے جس کے قدردان بدذوق ہو چکے ہوں، جہاں فنکار کی قدر و قیمت کا معیار پست اور گرا ہوا ہو ایسے ماحول میں شاعری کرنے سے فائدہ ہے

مجھے بعد شاد اس رجعت پسند وقت تو کیا لینا
کرے گی یاد مستقبل کی تہذیب جواں مجھ کو

عبد البشیر خاں سلام کہتے ہیں باقی حال بدستور

دعا گو (شاد عارفی)

(۷)

۴ نومبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفقا! دعائیں

لفظ نرما تمہارے قطعہ میں "کے" دیکھنے سے رہ گیا ہو گا میرا مطلب تم تھوڑا غور کرتے تو سمجھ میں آ جاتا۔ اب مجروح سلطانپوری سے صفائی ہو گئی ہے اب وہ مجھ سے بہت ہمدردی برتتا ہے کیا میری بہت سی غزلیں اور نظمیں منگوائی ہیں اور بار بار میرے لیے مدد دینے کا سوال کیا ہے

دعا گو (شاد عارفی)

(۸)

۷ نومبر ۱۹۶۱ء

عزیزم نفقا! دعائیں

عقد اور نکاح کو ہم معنی کون کہتا ہے۔ "عقد نکاح" ہے یہ صحیح ترکیب ہے صرف عقد کے معنی "گرہ" کے ہیں جو نکاح کے ساتھ

---

[1] نفقا کوثری کے تین ترجمے اور شکر یہ گیر قطعات کا مجموعہ ... ... نام زیر ترتیب ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵ پر)

اختر نظمی

میری راتیں

ساتھ مرے جاگا کرتے ہیں
چاند ستارے میت ہیں میرے
رات کی رانی کی خوشبو سے
مہکے مہکے گیت ہیں میرے

بھینی بھینی تنہائی میں
فکر سخن کرتا رہتا ہوں
یاد کی دھندلی تصویروں میں
رنگ نئے بھرتا رہتا ہوں
اک تصویر مکمل کر کے
چپکا لیتا ہوں سینے سے

پھر یادوں میں کھو جاتا ہوں
اور، جانے کب سو جاتا ہوں

سید افضال لسائین

آگہی

بہت سی غم زدہ راتیں، پریشاں دن
اسی امید حسرت میں، گزارے ہیں
تعلق آشنا، وہ مہرباں، مجبور دل پر
گھٹا آتی، برس جاتی
مری کشت تمنا پھر ہری ہوتی
میرے ویرانۂ دل میں
بہار عہد رفتہ لوٹ کر آتی
شگوفے مسکراتے عہد و پیماں کے

خدا جانے ستمگر بن گئے ہیں، کیوں؟
یہ لمحے، جان لیوا، دل شکن، پر درد غم آگیں

مجھے احساس ہوتا ہے
میری ناکام حسرت کا خزاں پرور وشی یہ موسم
میری کشت تمنا کو، ہری ہونے نہیں دے گا
میرے ویرانۂ دل میں
میری تشنہ امیدوں کے، یہ سوکھے زرد پودے
یونہی، عہد گزشتہ کے فسانے گنگنائیں گے
مجھے احساس تنہائی پہ اکثر خوں رلائیں گے

(بقیہ صفحہ ۴ کا)

بندھن کا مفہوم دیتا ہے۔ اس لیے جو لوگ عقد کو "نکاح" کے معنی میں لیتے ہیں وہ سراسر غلطی کرتے ہیں۔ تم "عقد نکاح" کو نوٹ کر لو محض مہمل لوگ ہوں گے باقی حال بدستور، ادھر اولے پڑ گئے تھے اس لیے سردی سے زکام ہو گیا ہے مگر قابل برداشت (شاد عارفی)

(۹)

۱۷؍دسمبر ۶۱ء

عزیزی نظمی! دعائیں

تم نے لکھا ہے کہ لوگ میری شاعری کی تلخی پر مجھ سے ناراض ہوتے ہیں، لیکن اونچے اونچے محلوں میں رہنے والے میری حالت کا کیا اندازہ کر سکتے ہیں، کہ میں کیوں اس قدر گرم اور تیز چیزیں لکھتا ہوں ان کو عیش و عشرت کے تمام سامان مہیا ہیں۔ وہ تصور میں بھی میرے بارے میں کبھی نہیں سوچ سکتے کہ میں کس مقام سے اور کس حال میں شاعری کرتا ہوں۔ اس کا ان کو کیا پتہ۔ ان کو شوخ کلام چاہیے جس پر وہ داد (جس کو میں بیداد تصور کرتا ہوں) کے خشک ڈونگرے برسا دیں۔ میری بھتیجی "انیا سی" میرا ساتھ اس قدر نہیں دیتی تو میں کبھی کا ملک عدم کو پہنچ بھی گیا ہوتا وہ برابر میری پریشانیوں میں شریک ہے۔ عبدالبشیر خاں سلام کہتے ہیں دعا گو (شاد عارفی)

(۱۰)

۲۵؍دسمبر ۶۱ء

عزیزم نظمی! دعائیں

غزلیں دیکھ کر بھیج رہا ہوں مطالعہ میں زیادہ وقت صرف کرو میرے مجموعے سے اشعار اور انداز بیان اخذ کرو۔ غزل کم سے کم ۵ شعروں کی کہا کرو قافیہ کم ہوں تو انھیں ثانیوں سے کام لو بجائے تھوڑے شعروں کی چند غزلیں کہیں قوت بیان سے دور رکھیں گی ایک غزل پر زیادہ سے زیادہ تصور و تخیل صرف کرو نئے نئے رخوں سے شعر کہنے کی عادت ڈالو۔ باقی حال بدستور ہے (شاد عارفی)

رامپور میں لڑکیوں کا نیا اسکول

رامپور میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ایک نیا اسکول فاطمہ اقبال مسلم گرلز ہائر سکنڈری اسکول کے نام سے قائم ہو گیا ہے۔
(وحید مسرت لبیب)

نفیس سندیلوی

رسالہ المعلومات اور اس کے مدیر
مولوی ولایت احمد مرحوم

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۲ء میں جناب سید فضل المتین صاحب کا "ایک جائزہ" جے پور کے اردو رسائل اور اخبارات" میری نظر سے گزرا۔ ان کی معلومات کے لیے "رسالہ المعلومات" اور اس کے ایڈیٹر مولوی ولایت احمد صاحب مترجم "قدیم ہندوستان کی تہذیب" کے متعلق عرض خدمت ہے۔

مولوی ولایت احمد بن مولوی محمد نیاز علی پریشان[1] بن مولوی رجب علی بن مولوی محمد معین بن مولوی محمد مکین بن مولوی حافظ اسد علی بن حجۃ المحققین حضرت مولانا حکیم شاہ محمد اللہ قادری شارح مسلم سندیلوی المخاطب بہ ملک العلماء فضل اللہ خاں" طبیب خاص محمد شاہ بادشاہ دہلی ۱۸۵۵ء میں بمقام متھرا پیدا ہوئے۔ عربی فارسی سنسکرت اور انگریزی پر دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ ابتدائی عمر میں بدایوں میں ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز رہے پھر جے پور میں منشی شیخ سعد علی صاحب مرحوم علوی محمد بن مرزا دہ کاکوروی کی دختر سے شادی ہونے کی وجہ سے جے پور میں قیام رہا اور تمام عمر ایک قلیل تنخواہ پر بسر کر دی۔ محکمہ جیل میں سررشتہ دار تھے۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد نے از راہ قدردانی حیدرآباد یاد فرمایا مگر بحالت علالت تشریف نہیں لے گئے۔

چھریرہ جسم، دراز قامت، صاف رنگ، بڑی بڑی آنکھیں بلند پیشانی، پتلی ستواں ناک، غرض شکل و شباہت سے ذہانت و ذکاوت ٹپکتی تھی مزاج میں غصہ اور تیزی زیادہ تھی۔ لباس بہت سادہ اور معمولی زیب تن فرماتے آرائش و زیبائش اور نمود و نمائش سے بالکل بے نیاز تھے جیسا باکمال لوگوں کا طریقہ ہے۔ امراء سے ملنے میں ہمیشہ اجتناب فرماتے۔ غریب طبقے کے لوگوں سے زیادہ ملتے تھے۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر اکبرآبادی سے تلمذ تھا اور مطمئن تخلص فرماتے۔ حضرت جمال الدین ہانسوی قدس سرہ کے سلسلے میں بیعت تھے اور رشتے میں جے پور کے مشہور شاعر استاد حضرت مولانا کوثر مرحوم کے چچازاد بھائی تھے۔

---

[1] مولوی محمد نیاز علی پریشان ہیں جنھوں نے آگرے میں وہ اردو میں عظیم الشان مشاعرہ کیا تھا جس میں [illegible] راجہ [illegible] کو بھی پڑھتے [illegible] مشہور [illegible] گارسن دتاسی نے اپنے خطبات میں اس مشاعرے کا ذکر کیا ہے اور پروفیسر مولوی حامد حسن قادری مرحوم نے اپنی کتاب "نقد و نظر" صفحہ ۱۱۵ پر اس قدیم مشاعرے کا تذکرہ کیا ہے یہ پہلا مطبوعہ [illegible] نومبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا [illegible] تذکرہ شعرو سخن [illegible] حال بھی اسی میں لکھا ہے

آپ نے مشہور انگریزی بنگالی مصنف رمیش چندر دت کی مشہور کتاب The Civilization of Ancient India کا اردو ترجمہ "قدیم ہندوستان کی تہذیب" کے نام سے کیا ہے یہ کتاب نہایت اہتمام سے چھپی ہے اس کے شروع میں آپ کا ایک طویل مقدمہ ہے جس سے آپ کے وسیع مطالعہ اور قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی اور سنسکرت زبانوں کے ترجمہ کرنے پر آپ کو فاضلانہ قدرت حاصل تھی۔

رسالہ "الکمال" جے پور ماہ اگست اور ستمبر ۱۹۰۶ء میں آپ کا ایک "تاریخی مضمون" "یونانی ہیروز" کے عنوان سے چھپا ہے اس مضمون کے متعلق حکیم مولوی واحد علی خاں صاحب شیخ کا ایک تعارفی نوٹ ہے۔

"ہمارے لائق کرم فرما جناب مولوی ولایت احمد صاحب جاگی سے غالباً ناظرین رسالہ ناواقف نہ ہوں گے آپ منجملہ ان مشاہیر کے ہیں جن کو انگریزی زبان سے اردو ترجمہ کرنے میں خاص دستگاہ حاصل ہے چنانچہ آپ کی مترجمہ تاریخ گبن رومن امپائر "زوال سلطنت رومۃ الکبریٰ" ہمارے اس دعویٰ کے لیے شاہد عادل ہے جو چار یا پانچ برس ہوئے آپ کی زیر ایڈیٹری رسالہ المعلومات کے ہمراہ مع مبسوط فٹ نوٹس کے شائع ہوئی تھی مگر افسوس ہے کہ وہ رسالہ ابتدائی حالت میں ملک کی عدم توجہی اور ناقدردانی کے باعث چند نمبر نکل کر بند ہو گیا یہ ترجمہ اور اس کے فٹ نوٹس نہ صرف آپ کو اعلیٰ مترجم کا لقب دیتے ہیں بلکہ وسیع النظر متبحر مورخ محقق بھی ظاہر کرتے ہیں ہمیشہ آپ مفید تاریخی کتابوں کا ترجمہ فرماتے رہتے ہیں۔"

آپ کی نثر سے میں نمونے کے طور پر چند سطور پیش کرتا ہوں جس سے آپ کی طرز نگارش کا اندازہ ہوگا۔

"ہندوؤں کی دیومالا (میتھالوجی) بھی بہت عجیب و غریب ہے یونانیوں، رومیوں اور تمام بت پرست قوموں کی دیومالاؤں سے وہ زیادہ وسیع ہے اس کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ قدیم آریوں اور ان کے بعد کے ہندوؤں نے مظاہر قدرت کی محض تعظیم ہی نہیں کی بلکہ انھوں نے ہر عجیب چیز اور ہر مصنوعہ شے کو اپنی خوش اعتقادی سے قابل عبادت تصور کیا انھوں نے آبائے علوی اور امہات سفلی کا کامل ادب کیا انھوں نے موالید ثلاثہ کی سر آنکھوں سے تکریم کی اور انھوں نے عجائبات قدرت کا مجلوس

احترام کیا غرضکہ انھوں نے جو کچھ اپنی ترقی کے دور میں کیا وہ دوسری اقوام سے بہت بڑھ چڑھ کر کیا اور ایسا کیا کہ آج بھی ان کا ذکر عزت سے کیا جاتا ہے غرض ریاضی، ہیئت، فلسفہ، منطق، موسیقی اور فنون لطیفہ میں ہندوؤں نے جب کہ دنیا گھٹنوں کے بل چل رہی تھی اس درجہ کمال حاصل کیا کہ آج ہمارے زمانے کی تعلیم یافتہ دنیا بھی مداح ہے۔"

آپ نے ماہ رمضان ۱۳۳۵ھ بعارضہ ہیضہ وفات پائی

رسالہ المعلومات

۱۸۹۹ء میں آپ نے "المعلومات" جے پور سے جاری کیا۔ یہ رسالہ کل ایک سال تک ۱۲ پرچے نکال کر بند ہو گیا۔ یہ رسالہ "صوفی قادر پریس آگرہ" میں شایع ہوتا تھا کاغذ اور کتابت نہایت عمدہ تھی اس پرچے میں صرف دو مضمون ہوتے تھے اور دونوں ترجمہ ہوتے تھے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ ہوتا اور دوسرا "تاریخ آئین" کا ترجمہ۔ یہ پرچہ اپنی نوعیت کا واحد پرچہ تھا۔ آپ کا مقصد زمانے اردو کو ترجموں سے روشناس کرانا تھا۔

آپ نے رقعہ، وید کا بھی ترجمہ کیا تھا، راقم نے اس کا مسودہ اور رسالہ المعلومات کے دونوں ترجمے کتاب کی شکل میں ترتیب دے کر محمود صاحب ہاشمی بھوپالی کو دیدیے تھے جو ۱۹۳۶ء میں جے پور اردو زبان کے جائزہ کے لیے تشریف لائے تھے تاکہ وہ ان کو انجمن کے کتب خانے میں دیدیں۔

رسالہ اکمال جے پور سے ۱۹۰۰ء میں نکلتا تھا اس کے مدیر حکیم مولوی واحد علی خاں صاحب سیح مرحوم اور منشی عبدالمجید صاحب اخگر فرخ آبادی تھے حکیم صاحب سیح تخلص فرماتے تھے اور حضرت جلیل مرحوم کے شاگرد تھے سادات میں سے تھے خاں، غالباً خاندانی خطاب تھا میں مرحوم سے بارہا ملا ہوں بڑے خلیق اور منکسر مزاج شخص تھے جب ملتے بہت خلوص اور تپاک سے ملتے مجید کالج جے پور میں استاذ بھی تھے چند سال ہوئے کہ انتقال فرمایا۔ "اکمال" اس زمانے کے پرچوں میں نہایت عمدہ پرچہ تھا علمی، ادبی مضامین کے علاوہ طرحی مشاعروں کی غزلیں اور نسخے بھی ہوتے تھے۔

رسالہ توم حضرت ریاض خیرآبادی مرحوم کے پرچے عطر فتنہ کے ساتھ نکلتا تھا۔ یہ پرچہ پندرہ روزہ بھی نکلا ہے اس پرچے میں میرے خسر معظم حضرت مولانا کوثر مرحوم کا کلام اکثر شایع ہوتا تھا۔ یہ تمام پرچے میرے پاس جے پور میں تھے جے پور چھوٹنے پر وہیں رہ گئے اور ضائع ہو گئے غالباً ان پرچوں کی جلدیں تسلیم منزل جے پور میں محفوظ ہوں گی۔

حافظ عاشق ہرگانوی

اردو کا پہلا اخبار

مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۳ء کے "ہماری زبان" میں رئیس مینائی صاحب کا مضمون "جامع الاخبار" کے عنوان سے شایع ہوا ہے جس کی ابتدا وہ اس طرح کرتے ہیں "قدیم سرمایہ کی تلاش و جستجو، چھان بین اور تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اردو کا پہلا اخبار[1] ماسٹر رام چندر داس نے "خیر خواہ ہند" کے نام سے نکالا تھا" رئیس مینائی صاحب نے اس امر کی وضاحت نہیں کی ہے کہ مذکورہ بالا اخبار کا اجرا کب ہوا؟ پھر بھی ان کے حاشیہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی محمد باقر کے اخبار سے زیادہ سے زیادہ دو چار سال قبل نکلنا شروع ہوا ہوگا۔ لیکن "خیر خواہ ہند" کو اردو کا پہلا اخبار نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ہندوستان کا پہلا اخبار اور صرف ہندوستان کا ہی نہیں بلکہ دنیا میں فارسی زبان کا پہلا اخبار، راجہ رام موہن رائے کا اخبار "مراۃ الاخبار" تھا جو ۱۸۲۲ء سے نکلنا شروع ہوا تھا اور ہندوستان کے علاوہ ایران اور وسط ایشیا کے ان تمام ملکوں میں جاتا تھا جہاں فارسی بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ فارسی زبان میں دوسرا اخبار "جام جہاں نما" تھا جو "مراۃ الاخبار" کے اجرا کے دو تین ہفتہ بعد سے ہی شایع ہونا شروع ہو گیا تھا اور ٹھیک ایک سال بعد یعنی ۱۸۲۳ء سے جس کا اردو ضمیمہ بھی شایع ہونے لگا تھا جو بجائے خود ایک اخبار تھا اور اسی کو اردو زبان کا پہلا اخبار سمجھا جاتا ہے۔

ابھی مزید تحقیق جاری ہے اور قیاس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ "جام جہاں نما" اور "خیر خواہ ہند" کے درمیانی وقفے میں اور بھی اردو اخبار نکلے ہوں گے۔

---

[1] محمد حسین آزاد کے والد محمد باقر نے ۱۸۳۶ء میں دلی سے اردو اخبار جاری کیا، ۱۸۴۰ء میں "سید الاخبار" نکلا اور ۱۸۴۳ء میں "مظہر الحق" نامی اخبار شایع ہونے لگا۔

(رئیس مینائی)

اظہار کا جدید شعری ذہن نمبر

۱۹۶۵ء کے شروع میں بمبئی سے ایک نیا ادبی جریدہ "اظہار" شایع ہو رہا ہے اس کی پہلی پیشکش "جدید شعری ذہن نمبر" ہوگی جسے قاضی سلیم، باقر مہدی اور گرلیش چندر نے مرتب کیا ہے اس کی قیمت دس روپے ہوگی ملنے کا پتہ ۲۰۳ چوپاٹی روڈ بمبئی نمبر ۷ ہے

کاتب کی کرشمہ سازی

ماہنامہ "آج کل" بابت اکتوبر ۱۹۶۲ء میں عبدالمجید سہالوی کا ایک مضمون "کاتب کی کرشمہ سازی" کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔ واقعی مضمون نگار نے مزاح نگاری کی کامیاب کوشش کی ہے ایک جگہ غالب کا ایک شعر انھوں نے یوں نقل کیا ہے۔

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہے عاشق کا گریباں ہونا

مجھے یقین ہے کہ غالب نے دونوں مصرعوں میں قسمت ہی لکھا ہے۔ اب بوقت تحریر میرے پاس نسخۂ حمیدیہ نہیں ہے پھر بھی یقین ہے کہ اس میں بھی قسمت ہی ہے اب سوچنا یہ ہے کہ آیا یہ بھی کاتب کی کرشمہ سازی ہے یا پروف ریڈر کی۔ اس سلسلہ میں حرف آخر کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ عبدالمجیب سہالوی یا اور کوئی صاحب ضرور اس معاملے میں لکھیں گے۔

(ایس نورالحسن انور ادیب)

نوٹ۔ جی ہاں دونوں مصرعوں میں قسمت ہی ہے۔ (ادارہ)

آنجہانی اور مرحوم

انجمن ترقی اردو ہند کے ہفتہ وار "ہماری زبان" میں چند دنوں پہلے کسی ہندو صاحب نے آنجہانی اور مرحوم کا فرق معلوم کرنے کے لیے ایک مختصر سا مراسلہ شایع کرایا تھا۔

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ر ستمبر ۱۹۶۲ء میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے آنجہانی اور مرحوم کا فرق تو ظاہر نہیں فرمایا لیکن یہ لکھکر ٹال دیا ہے "کہ مسئلہ ادبی نہیں مذہبی ہے اور اس لیے ہماری زبان کے صفحات پر ناقابل بحث"۔

آل احمد صاحب سرور اردو کے ممتاز اہل قلم اور مولانا عبدالماجد "سچ" اور "صدق" کے مشہور ایڈیٹر ہیں بحیثیت ایڈیٹر آل احمد صاحب نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا چاہیے تھا۔

غالباً یہ وہی عبدالماجد صاحب ہیں جو حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی کے ابتدائی دور میں فلسفہ کے پروفیسر تھے اور جن کی تصنیف "فلسفۂ جذبات" پر مقامی روزنامہ "صحیفہ" میں کئی دنوں تک ایک دلچسپ مذہبی بحث چھڑی رہی جو بعد میں اس قدر تلخی اختیار کر گئی کہ مولانا کے خلاف متعدد فسادات برپا ہوئے اور مولانا موصوف کو حیدرآباد چھوڑنا پڑا۔

بات یہ تھی کہ مولانا نے اپنی تصنیف میں مہاتما بدھ، حضرت مسیح حضرت محمد اور دیگر مقدس و محترم ہستیوں کو ایک ہی صف میں شمار کیا تھا لیکن اسلامی عقیدہ کے مطابق آنحضرت دنیا کے جملہ بزرگوں سے افضل و ممتاز ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ رہا۔

رسائل اور اخبارات میں مہاراجہ آنجہانی (سر کشن پرشاد، شاد) سرشار آنجہانی، چکبست آنجہانی وغیرہ اور غالب مرحوم، اقبال مرحوم، مولانا آزاد مرحوم وغیرہ پڑھا کرتا تھا لیکن اس "آنجہانی اور مرحوم" کی طرف کبھی توجہ نہیں کی ایک دفعہ یوں ہی خیال پیدا ہوا اور اتفاق سے اس وقت نظام کالج حیدرآباد کے ایک پروفیسر بھی موجود تھے جو عربی اور فارسی کے عالم تھے تھا۔ سنے پروفیسر موصوف سے اس فرق کو ظاہر کرنے کی درخواست کی۔

پروفیسر صاحب کچھ دیر چپ رہے اور پھر رکتے رکتے فرمایا "بھئی یہ ایک عقیدہ کی بات ہے۔ ہمارا (مسلمانوں کا) خیال ہے کہ غیر مسلموں پر مرنے کے بعد رحمت خداوندی نازل نہیں ہوتی اس لیے وہ مرحوم کہلانے کے حق دار نہیں۔ مگر مرحوم کی بجائے متوفی یا آنجہانی الفاظ وضع کیے گئے جو غیر مسلموں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں"۔

مرحوم اور آنجہانی کا فرق جو دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا "ہماری زبان" کے ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔

(جگ موہن)

نہرو سکے

خبریں گشت کر رہی ہیں کہ جلد ہی حکومت ہند پنڈت نہرو کی تصویر پر مشتمل روپیہ اور پچاس نئے پیسے کے سکے ڈھالنے والی ہے۔ جن پر صرف انگریزی اور ہندی زبانوں میں سکوں کا نام درج ہوگا۔

اول تو یہ جمہوری اصولوں کے بالکل منافی ہے۔ اور شخصیت پرستی پر تازیانہ کا کام کرتی ہے

دوم یہ کہ ہم اردو والوں کے لیے بھی بڑی تکلیف دہ بات ہوگی۔ جن کی تعداد اس ملک کی اکثریتی زبان کی حیثیت سے واضح ہے یاد رہے کہ اعشاری سکوں پر پہلے ہی حکومت ہند کی نظر عنایت ہو چکی ہے۔

اور یہ سب اسی ہستی کے لیے تذبذب ہے جس نے ہمیشہ اردو کو عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا ہے جو ہمیشہ سے اردو کا ہمدرد رہا ہے۔ اور جس نے اسی زبان کے سائے میں پرورش پائی۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت ہند اس پر بار بار غور کرے گی اور اردو والوں سے یہ گزارش ہے کہ وہ حکومت پر زور دیں کہ وہ ایسا کرنے سے گریز کرے۔ (نسیم سامانی)

انکشافات

(۱)

آج ایک ضرورت سے ہماری زبان ۱۹۵۸ء کا فائل دیکھا اس میں پسندیدہ اشعار کے تحت قبلہ رشید صاحب نے ایک شعر یہ بھی انتخاب فرمایا ہے۔

شہر کے لڑکوں کی بر آئی مراد
بندے دیوانہ رہا ہو گیا

مگر موصوف نے استفہامیہ علامت لگا کر شاعر کے نام سے لاعلمی کا اظہار فرمایا ہے۔ اگرچہ عرصہ کافی گزر چکا ہے مگر اپنی ذوق کو تلاش رہتی ہے اس لئے میں مناسب جانتا ہوں کہ شاعر کے نام سے "ہماری زبان"

کے پڑھنے والوں کو مطلع کر دیا جائے۔ یہ شعر نواب یوسف علی خاں یوسف ناظم تخلص کا ہے۔ اور ان کے دیوان کی دونوں اشاعتوں میں موجود ہے۔

(اکبر علی خاں)

(۲)

یکم اگست ۱۹۶۲ء کے "ہماری زبان" میں جناب سید مسعود حسن رضوی ادیب نے ایک استفسار فرمایا ہے کہ یہ مرثیہ
"کھولا علم جو خسرو زریں کلاہ نے"

کس کا ہے؟ مراثی (بالخصوص خاندان انیس کی طرف جن کا انتساب ہے) کے بارے میں بھی جناب سید صاحب موصوف کو سند سمجھتے ہیں جب موصوف خود کسی مرثیہ کے متعلق مشکوک ہیں تو کون عقدہ کشائی کر سکتا ہے۔

مذکورہ بالا مرثیہ کے متعلق شہرت تو یہی ہے کہ یہ میر انیس مرحوم کا ہے مگر اس مرثیہ کے بعض بند اور کچھ بیتیں خدائے سخن انیس کے نام سے مشہور ہیں۔

مرثیہ مذکورہ جناب عون و محمد کے حال میں ہے اور اس کے ایک بند کے حسب ذیل چار مصرعے انیس کی طرف منسوب ہیں ؎

پوچھیں جو مجھ کو والدۂ آسماں مقام
کہہ دیجیو کہ مر گئے وہ باوفا غلام
پہنچے جو شہ نے ماں کو بھی دیتے ہو کچھ پیام
رو کر کہا کہ داغ دل اور تحفۂ سلام

اور پھر یہ بیت بھی اسی مرثیہ میں ہے اور بلاشبہ انیس کی ہے

پیاسوں کو شوق وادیٔ عنبر سرشت ہے
سنتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے

(خاکسار ذکی ملک پوری۔ پٹنہ)

مشکلات غالب

اگر کوئی ادیب بڑا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ کبھی "غلطی" کر ہی نہیں سکتا۔ کسی ادیب کی عظمت اس پر منحصر نہیں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے ہمیشہ سب کا سب صحیح، بے عیب اور پاکیزہ ہوتا ہے۔

۱۰ اگست کے "نگار" (کراچی) میں علامہ نیاز فتحپوری کا مضمون "کلام غالب کا خوردبینی مطالعہ" نظر سے گزرا۔ ایک شعر کے بارے میں علامہ کا "خوردبینی مطالعہ" خود مزید "خوردبینی" کا محتاج ہے۔

غالب کا شعر ہے:

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

(ترجمہ) (PARSE MEER) بیگانگی ہی دوستی کا پردہ ہے (اس لیے) ہم سے منہ چھپانا چھوڑ دینا چاہیے۔

علامہ اس شعر کا مفہوم بتاتے ہیں:

"تمہاری یہی ادائے بیگانگی تو راز محبت فاش کر دینے والی ہے۔ اگر تم مجھ سے اس طرح ملو جس طرح دوسروں سے ملا کرتے ہو تو کسی کو پتہ نہ چلے کہ مجھے تم سے محبت ہے"

غلط! غالب کا ہرگز یہ مفہوم نہیں۔ یہاں لوگوں سے "بیگانگی" کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ غالب کہنا یہ چاہتا ہے کہ محبوب اس کے سامنے بیگانہ وار آیا جایا کرے۔ کسی طور کوئی حجاب نہیں برتنا چاہیے دوستی یعنی محبت کو بیگانگی چھپا دیتی ہے۔ محبوب کو عاشق کے سامنے یوں آنا چاہیے کہ دیکھنے والوں کو کسی "لگاؤ" کا گمان تک نہ ہو۔ شرم و حجاب تو محبت کی دلیل ہے۔ یہاں لفظ "بیگانگی" "منہ چھپانا" کی ضد کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

یہ شعر یوں بھی ہو سکتا ہے:

دوستی کا پردہ ہے بے پردگی
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

(نونیاز)

الہ آباد میں شام جگر

الہ آباد ۱۱ر اکتوبر۔ اراکین جگر میموریل کمیٹی ہند کے حالیہ فیصلے کے مطابق جگر مرحوم کی یاد میں شام جگر کے اجلاس ۱۱ر نومبر ۱۹۶۲ء کو دائرہ شاہ اجمل میں منعقد ہو رہے ہیں اس پروگرام کے بارے میں بتایا گیا ہندوستان میں جگر کمیٹی کے ترجمان ایک بیان میں کہا ہے کہ اس شام کے لیے ہندوستان کے نامور نقاد اور شعراء حضرات کو دعوت نامے جاری کیے جا چکے ہیں اور ان کی منظوری کی اطلاع ملنے پر ناموں کا اعلان کیا جائے گا ترجمان موصوف نے مزید کہا کہ اس جلسہ کا افتتاح اردو ادب سے گہری دلچسپی رکھنے والے جناب ڈی۔ آر۔ مہتا منسٹر لکھنؤ کارپوریشن کریں گے۔ (سیاست جدید کانپور)

شکایات

فرخ آباد میں اردو کی تعلیم

علاقہ گورسہائے گنج ضلع فرخ آباد میں اردو پڑھنے والے طلبا کی اکثریت ہے۔ اس سلسلہ میں مجموعی و انفرادی طور پر طلبا اور ان کے سرپرستوں کی طرف سے کئی درخواستیں پریسیڈنٹ ضلع پریشد ضلع فرخ آباد، پریسیڈنٹ ضلع کانگریس کمیٹی کی خدمت میں گزاری گئیں۔ مگر ہم لوگوں کی درخواستوں پر کسی قسم کا قدم اب تک نہیں اٹھایا گیا۔

اردو سے متعلق سرکار اور کانگریس پارٹی کی پالیسی کو ناکام بنانے کے لیے اس ضلع میں ان مقامات پر تو اردو ٹیچر دئے گئے جہاں اردو پڑھنے والوں کی تعداد نہیں کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر اس ضلع کے جونیر ہائی اسکول دھن پور، تحصیل قنوج بلاک قنوج میں اردو ٹیچر دیا گیا ہے۔ جہاں اردو پڑھنے والوں کی تعداد صرف تین ہے جبکہ گورسہائے گنج جونیر ہائی اسکول میں اردو پڑھنے کے لیے قریب قریب پچاس طلبا کی درخواستیں ضلع پریشد میں موجود ہیں۔

منڈل کانگریس کمیٹی گورسہائے گنج نے بھی اپنی تجویزوں کے ذریعہ اس علاقہ میں اردو ٹیچر دیے جانے کی مانگ کی ہے۔ پھر بھی ضلع پریشد نے اردو پڑھانے کی اجازت نہیں دی۔

ایسی صورت میں ہم قومی آواز کے ذریعہ ریاستی کانگریس کے ذمہ دار حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ضلع کانگریس کمیٹی فرخ آباد کے ذریعہ چیرمین ضلع پریشد کو ہدایت کریں کہ وہ جلد از جلد جونیر ہائی اسکول گورسہائے گنج بلاک تال گرام میں وہاں کے طلبا کی مانگ پر اردو ٹیچر کا انتظام کردیں، ساتھ ہی گزارش ہے کہ ضلع میں اردو کے ساتھ ناانصافی کیے جانے کے سلسلہ میں انکوائری کی جائے تاکہ اس علاقہ کے لوگوں کے ساتھ انصاف ہوسکے۔

محمد حنیف صدیقی (تحصیل پورہ گورسہائے گنج ضلع فرخ آباد)
(منقول از قومی آواز لکھنؤ)

اندور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو قائم ہے لیکن کالجوں میں اردو زبان کا پتہ نہیں

اندور ۱۲ اکتوبر۔ ۱۹۴۷ء سے قبل یہاں کے تقریباً تمام کالجوں میں ایم اے تک اردو اور فارسی کی تعلیم کا معقول انتظام تھا۔ مگر ۱۷ سال سے تمام کالجوں سے اردو کو ختم کرکے اب تک سیکڑوں طلبا کو ان کی مادری زبان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم کردیا گیا ہے۔ آگرہ یونیورسٹی اور وکرم یونیورسٹی اور اب اندور یونیورسٹی میں بھی باقاعدہ طور پر شعبہ اردو قائم کردیا گیا ہے۔

لیکن اندور کے کسی بھی کالج میں اردو کلاسوں کا کوئی بندوبست نہیں ہے جب کہ اس زبان کے متعدد طلبا مجبوراً دوسرے مضامین اختیار کرکے اپنی تعلیم پوری کرتے رہتے ہیں۔ اب جب کہ اندور یونیورسٹی میں بھی شعبہ اردو باقاعدہ طور پر قائم ہوچکا ہے اور تعلیم کے تمام ذمہ داروں کا فرض ہے کہ یہاں کے تمام کالجوں میں باقاعدہ طور پر اردو کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ گجراتی کالج جہاں نائٹ کلاسیں لگتی ہیں اس کے سکریٹری مسٹر کانتی لال جین سے بھی یہاں کے ذمہ داران اردو کے بندوبست کے سلسلہ میں ان سے کئی بار مل چکے ہیں۔

لیکن افسوس ہے کہ زبانی وعدوں کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہوسکا چونکہ یونیورسٹی کے فارم ماہ اکتوبر تک بھرے جائیں گے اس سے قبل ہی اگر کلاسیں شروع کردی جائیں تو اب بھی بات بن سکتی ہے۔

(الجمعیۃ، دہلی)

جودھ پور میں کل راجستھان اردو سمپوزیم

فی زمانہ راجستھان میں اردو کے متعلق غیر معمولی ہلچل ہے۔ ابھی شروع اکتوبر میں بمقام جے پور میں کل ہند اردو کانفرنس ہو چکی ہے اب ۱۳ ر ۱۴ ر اور ۱۵ ر نومبر ۱۹۶۲ء کو جودھ پور میں راجستھان ساہتیہ اکاڈمی اور انجمن ترقی اردو جودھ پور کی زیر سرپرستی کل راجستھان اردو سمپوزیم ہو رہا ہے جس کے انتظامات بڑے پیمانے پر کیے جا رہے ہیں۔ سادہ گوردھن لال جی کابرا، خان وحید اللہ خاں اور افتخار علی صاحب شمیم نیز دیگر مقامی حضرات خاص طور پر انتظامات میں مصروف ہیں۔ راجستھانی ادیبوں کے علاوہ ہندوستان کے مشہور ادیبوں کی بھی شرکت متوقع ہے۔ تینوں دن مشاعرہ بھی ہے۔ جس میں راجستھانی اور دیگر ہندوستانی شعرا کی منظوری شرکت حاصل ہو چکی ہے۔ جودھ پور میں اس تقریب سے بڑی دلچسپی لی جا رہی ہے اور کارکنوں میں خدمت اردو کا جذبہ شباب پر ہے۔ کئی سو مہمانوں اور ہزاروں مقامی اصحاب کی شرکت یقینی ہے۔

(نامہ نگار)

غیر متعارف شعرا متوجہ ہوں

قیس رامپوری ایک ایسا مجموعہ شائع کرنا چاہتے ہیں جس میں ہندوستان کے ان شعرا کا کلام ہوگا جو اچھی صلاحیتوں کے باوجود گمنام ہیں۔ یہ مجموعہ دسمبر کے آخر تک شائع ہو جائے گا۔

خواہشمند شعرا اپنی دو غزلیں، مختصر حالات اور ایک پوسٹ کارڈ سائز تصویر انھیں پتہ ذیل پر بھیج دیں۔

(قیس رام پوری، ۲۵ محلہ روڈ رام پور یوپی)

انجمن شاخ پٹیالہ کی سرگرمیاں

گزشتہ شب انجمن ترقی اردو پٹیالہ کی نشست زیر صدارت سردار ہربنس سنگھ تیج اسٹیٹ بنک آف پٹیالہ میں منعقد ہوئی جس میں متفقہ رائے سے شری جونت رائے ساحر سنامی کو انجمن کی مقامی شاخ کا نائب صدر نامزد کیا گیا انجمن کے قیام کے وقت سے ہی یہ جگہ خالی پڑی تھی اس وقت بھی اس جگہ کے لیے جناب ساحر سنامی صاحب بانی انجمن ترقی اردو پٹیالہ اور کنوینر انجمن ترقی اردو پٹیالہ ڈویژن کا نام تجویز کیا گیا تھا لیکن ساحر صاحب نے اسے منظور نہیں فرمایا تھا کیونکہ وہ کسی عہدہ کو تسلیم نہ کرتے ہوئے انجمن کی خدمت ایک ممبر کی حیثیت سے ہی سرانجام دینا چاہتے تھے لیکن ممبروں کی پرزور اپیل پر انھوں نے نائب صدر ہونا کل رات منظور فرما لیا ہے۔ اس کے علاوہ کل رات ایک بات اور منظر عام پر آئی کہ انجمن کے ایک سرگرم ممبر اور اردو کے اچھے شاعر جناب گل جیت عاجز صاحب نے اپنا تخلص بدل کر ساغر شفائی رکھ لیا ہے۔ صدر کے علاوہ سبھی ممبران اور سامعین نے انھیں مبارکباد پیش کی۔ نشست کا اختتام ایک مشاعرہ پر ہوا جس میں حسب ذیل شعرائے کرام نے حصہ لیا۔

جناب ہربنس سنگھ تیج۔ طالب شملوی، ساحر سنامی، ساغر شفائی، جگر جالندھری، بہیش پٹیالوی، سوز شرمن، راج دیا تہ، پریم حسرت، برج لال نازاں، راز اور شباب۔

اس سے پہلے انجمن کی ایگزیکٹیو کمیٹی نے مندرجہ ذیل قرارداد منظور کیں۔

(۱) وزیر تعلیم پنجاب شری پربودھ چندر جی کی خدمت میں گزارش کی جائے کہ وہ کچھ وقت نکال کر انجمن ہذا کی ایک خاص نشست میں جو ان کے اعزاز میں کی جائے گی شرکت فرمانے کی تکلیف گوارا کریں۔

(۲) بالغوں کو اردو پڑھانے کا اہتمام کیا جائے۔

(بہیش پٹیالوی جنرل سکریٹری)

پاکوڑ سنتھال پرگنہ میں اردو لائبریری

۲۶ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو انجمن شاخ پاکوڑ کا ایک عام جلسہ زیر صدارت جناب خلیل رمزی بہ مکان الحاج خاں بہادر مولوی محمد امید علی صاحب مرحوم منعقد ہوا۔

جلسے کا اہتمام اردو لائبریری کے قیام کے سلسلے میں پاکوڑ کے نوجوانوں نے کیا۔ جناب مشتاق علی شاہد نے جلسہ کی نوعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک اردو لائبریری کی ضرورت کی اہمیت کا احساس دلایا۔ جناب خلیل رمزی کا خطبۂ صدارت پرمغز اور باثر ثابت ہوا جلسے کے فوراً بعد ہی ایک عارضی کمیٹی کی تشکیل ہوئی، جو لائبریری کے قیام کے سلسلے میں آئندہ اقدام کرے گی۔ اس جلسے میں شہر کے معززین نے شرکت کی اور ہر ممکن امداد کا وعدہ کیا۔

عارضی کمیٹی کے ممبران حسب ذیل ہیں۔

(۱) جناب شوکت علی　(۲) جناب مشتاق علی شاہد
(۳) جناب خلیل رمزی　(۴) جناب ابوالحسن
(۵) جناب علی اکبر　(۶) جناب نظام الدین (کنوینر)
(۷) جناب انیس الحق (کیشیئر)　(۸) جناب تجمل حسین
(۹) جناب توحید انور　(۱۰) جناب محمد سعید
(۱۱) جناب محمد ظہیرالدین

(نظام الدین کنوینر)

"شام افسانہ"

جے پور ۵ اکتوبر ۱۹۶۳ء یہاں اسلامیہ اسکول میں "شام افسانہ" کا ایک ستھرا پروگرام منعقد کیا گیا جس کی صدارت ہند و پاک کے مایۂ ناز ادیب حضرت کوثر چاندپوری صدر ریاستی انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش نے فرمائی۔

جلسہ میں حضرات اختر سعید، مقصود عرفان، ظفر احمد نظامی، مفتوں کوٹوی، بہار برنی، وقار صدیقی، اظہر عباسی، مختار الرحمٰن راہی، شاد کوٹوی، کے علاوہ بہت سے فنکاروں نے اپنی تخلیقات پیش کیں جنھیں بہت پسند کیا گیا۔

صدر جلسہ حضرت کوثر چاندپوری نے اپنی تقریر میں فن پر روشنی ڈالتے ہوئے جلسے میں پیش کردہ تخلیقات پر تنقیدی خیالات کا اظہار کیا ہے

(رہبر جے پوری　منیر منزل جے پور راجستھان)

رحیم آباد میں اردو تعلیم کی دشواری

رحیم آباد ضلع لکھنؤ جونیر ہائی اسکول کے ۵۰ طالب علموں نے سہ لسانی فارمولے کے تحت انسپکٹر صاحب تعلیم کو ایک درخواست دی کہ وہ تیسری زبان اردو پڑھنا چاہتے ہیں دستخط کرنے والے طالب علموں میں ہندو مسلمان بچے شامل ہیں۔ لیکن ضلع کے تعلیمی افسران نے اس سال ایسی کسی درخواست کے منظور کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

میری گزارش ہے کہ ذمہ دار افسران کو چاہیے کہ وہ حکومت کی عام پالیسی کے مطابق فوراً اردو کی تعلیم کا انتظام کریں تا کہ طالب علموں کا یہ سال برباد نہ ہو۔ (مائل ملیح آبادی۔ ملیح آباد لکھنؤ)

(مستفاد از قومی آواز لکھنؤ)

کامن ویلتھ ادبی کانفرنس میں ہندوستانی ادیبوں کی شرکت

۹ تا ۱۲ ستمبر لیڈز یونیورسٹی میں کامن ویلتھ ادبی کانفرنس منعقد کی گئی تھی جس میں چھ ہندوستانی ادیب بھی شامل تھے۔ کسی برطانوی یونیورسٹی میں یہ اپنی قسم کی پہلی کانفرنس تھی۔

کانفرنس میں متعدد موضوعات زیر بحث آئے۔ ایک موضوع یہ تھا کہ جن ملکوں میں مختلف قسم کی زبانیں رائج ہیں وہاں انگریزی زبان کیا کردار انجام دے سکتی ہے۔ کامن ویلتھ کے اندر یونیورسٹی کے پروفیسروں کے باہمی تبادلہ کے امکانات پر بھی غور کیا گیا۔

کانفرنس کا اہتمام لیڈز یونیورسٹی نے برٹش کونسل کی مدد سے کیا تھا۔ تقریباً پندرہ ملکوں کے ڈیلیگیٹوں نے اس میں شرکت کی۔

افتتاحی اجلاس میں ہندوستانی ناول نویس مسٹر آر۔ کے۔ نارائن نے کانفرنس کو بتایا کہ انگریزی زبان کی جڑیں ہندوستان میں بہت دور تک چلی گئی ہیں اور اگرچہ بدرجہ آخر ہندی ہندوستان کی سرکاری زبان کے طور پر انگریزی کی جگہ حاصل کر لے گی لیکن ہندوستانی یونیورسٹیوں میں انگریزی کو کافی بلند مقام حاصل ہے۔

کانفرنس میں شامل ہونے والے دیگر ہندوستانی ڈیلیگیٹوں کے نام یہ ہیں — ناول نویس و مصنف مسٹر خشونت سنگھ، دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر بال چندر راجن اور ڈاکٹر اے۔ این۔ جوں، آندھرا یونیورسٹی کے پروفیسر کے۔ آر۔ سری نواس آئینگر اور پونا یونیورسٹی کے ڈاکٹر ایس۔ ناگ راجن۔

لیڈز یونیورسٹی کے اسکول آف انگلش کے چیرمین پروفیسر اے۔ نارمن جیفریز نے ڈیلیگیٹوں کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے کہا کہ کامن ویلتھ مصنفین کو سفر کی بہتر سہولتیں ملنی چاہئیں اور کامن ویلتھ یونیورسٹیوں میں کامن ویلتھ سے متعلق زیادہ کورسوں کا اہتمام ہونا چاہیے۔

کانفرنس کے ایک اور اجلاس میں ڈاکٹر ناگ راجن نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ ہندوستان کی ادبی زندگی میں انگریزی ادب کے مطالعہ کی اہمیت کم نہیں ہوئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی اہمیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ موصوف نے مزید کہا ہے کہ ہندوستان کو ایک بین الاقوامی زبان کی ضرورت ہے تاکہ اس کے دریچے دنیا پر کھلے رہیں۔ انگریزی کو ہندوستان میں آئے ہوئے ایک سو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ "تاریخ کا یہ اتفاق سمجھئے کہ ہمیں ایک قیمتی فائدہ حاصل ہو گیا ہے۔ اب اسے ترک کرنا بیوقوفی کی بات ہوگی۔"

کانفرنس میں پروفیسر جیفریز نے بتایا کہ برطانیہ میں ایک کامن ویلتھ جریدہ جاری کیا جا رہا ہے جس کے پہلے ایڈیٹر لیڈز یونیورسٹی کے انگریزی لکچرر مسٹر آر۔ تقریو نر گرانٹ ہوں گے۔

ایک ڈاک خانے کی اردو بیزاری

مورخہ ۲۱ ستمبر کو ڈاک خانہ پھول پور اعظم گڑھ کے ایک کلرک نے اردو میں پر کیے ہوئے منی آرڈر فارم کو لینے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسے پھینک دیا اور جب اس کی شکایت پوسٹ ماسٹر سے کی گئی تو انھوں نے بھی اسی غلط طریقہ کار کی تائید کی۔

بالآخر اسی روز ایک درخواست پوسٹ ماسٹر جنرل لکھنؤ ارسال کی گئی۔

انتہائی دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی نہ تو وصولیابی کی رسید موصول ہوئی اور نہ جواب ہی آیا کوئی کارروائی تو دور کی بات رہی۔ مزید برآں مذکورہ معاملہ کے بعد ہی سے لائبریری اور ذاتی خطوط وغیرہ کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی عملہ کی خفگی کا شکار ہو جانے کی وجہ سے قطعی غیر معقول ہو گیا ہے جس کی وجہ سے سخت پریشانی ہے۔

انجم صدیقی۔ سکریٹری گلستان ادب لائبریری پھول پور ضلع اعظم گڑھ

(منقول از قومی آواز)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ و پبلشر نذیر حسن پرنٹر ظہیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا